سُشیل جھا

چچی جان کی سویّاں

آج کل جب عید آتی ہے تو دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی ہے۔ دلّی میں کوئی گھر پر سویّاں کھانے کے لیے نہیں بلاتا۔ یہاں اتنی بے تکلفی بھی نہیں ہے کہ بن بلائے چلے جائیں۔

ہمارے لیے تو عید کا مطلب ہی سویّاں ہیں۔ مجھے یاد ہے جب چھوٹے تھے تو عید کے دن صبح صبح اپنے مسلمان دوستوں کے گھر چکر تب تک لگاتے رہتے جب تک چچی جان سویّاں نہ کھلا دیں۔

بچوں کو پانی والی اور بڑوں کو دودھ والی لچھا سویّاں ملتی تھیں۔ جب پہلی بار دہلی سے پڑھ کر واپس گاؤں گئے اور لچھا سویاں ملیں تو سچ میں لگا کہ بڑے ہو گئے ہیں۔

مجھے سیکولرازم، ہندو مسلم بھائی چارے اور اسلامی شدت پسند جیسے بڑے بڑے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے۔ مجھے سویاں، بریانی، قوّالی، چچی جان کی آنکھوں کا سرمہ، اردو زبان، گنڈے تعویز، اور وہ مولوی صاحب سمجھ میں آتے ہیں جو بیمار ہونے پر میری جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔

میرے والد بہت زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ ان کو شاید ہی سیکولرازم کا لفظ سمجھ میں آتا ہے لیکن ان کے کئی مسلمان دوست ہیں۔ وہ ان کے یہاں گوشت نہیں کھاتے تھے، سویاں کھانے میں انھیں کوئی پریشانی نہیں تھی۔

یہ باتیں ٹی وی آنے سے پہلے کی ہیں۔ ٹی وی آیا تو رامائن دیکھنے کے لیے ہم ایک مسلمان دوست کے گھر جاتے تھے کیونکہ ہمارے گھر میں ٹی وی نہیں تھا۔ اور ہمارے بڑے بھائی صاحب کے پسندیدہ کرکٹر ہمیشہ سے وسیم اکرم ہی رہے۔

آج مجھے شاہ رخ خان اور عامر خان کسی اور ہیرو کے مقابلے میں زیادہ پسند ہیں۔ جوانی میں اپنے بال شاہ رخ خان جیسے کروانے کے لیے ہم نے بھی بہت پیسے خرچ کیے تھے۔

بات یہیں تک نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ہماری کالونی میں صرف ایک مسلمان نوجوان کے پاس امیتابھ بچّن کی آٹو گراف کی ہوئی تصویر تھی۔ ہارون ہم سے کافی بڑے تھے اور امیتابھ بچن سے ملنے کے لیے وہ گھر سے بھاگ کر ممبئی گئے تھے۔ واپس آئے تو اپنے گھر میں پٹائی سے بچنے کے لیے ہمارے گھر میں دو دن چھپے

رہے۔

میرے لیے مسلمان کوئی الگ قوم نہیں ہیں، جن سے میں سیکولرازم کی بنیاد پر دوستی کروں۔ وہ بچپن سے میرا حصہ ہیں اس لیے ان کے بارے میں کسی اور بنیاد پر سوچنا مجھے سمجھ نہیں آتا ہے۔

نو سال پہلے گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد سے مسلمانوں پر بہت بحث ہو رہی ہے: انھیں کیسے رہنا چاہیے یا پھر ان کے ساتھ دوسرے لوگوں کو کیسے رہنا چاہیے۔ ایسی بحث میرے بارے میں ہو تو مجھے بھی غصہ آئے گا۔ پھر اگر وہ ناراض ہیں تو کیا غلط ہے۔

کہتے ہیں کہ پوری دنیا میں وہ بہت ناراض ہیں۔ میرے دوست بھی تھوڑے ناراض ہیں لیکن مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔ وہ آج بھی مجھے اپنے گھر کھانا کھلاتے ہیں اور آج بھی میں کبھی بیمار ہوتا ہوں میری ماں فون پر یہی کہتی ہیں کہ کوئی مولوی صاحب ہوں تو ان کے پاس چلے جانا۔

اصل میں پوری دنیا کو بھارت سے سیکھنا چاہیے، لیکن اس بھارت سے نہیں جو سیکولرازم، مسلمانوں کے حقوق اور ووٹ بینک کی نسلی سیاست کی بات کرتا ہے، بلکہ اس بھارت سے جہاں مسلمان صدیوں سے دیگر قوموں کے ساتھ مل جل کر رہتے آئے ہیں۔

بہت سارے فسادات کی باتیں سنی ہیں لیکن یاد نہیں آتا کہ کسی گاؤں یا دیہات میں فساد کی بات سنی ہو۔ فساد زیادہ تر شہروں میں ہوتے ہیں جہاں نام کے پڑھے لکھے یا یوں کہیں کہ سیکولر لوگ رہتے ہیں۔

میری نظر میں سیکولرازم بیسویں اکیسویں صدی کا نظریہ ہے۔ اس کسوٹی پر ان رشتوں کو پرکھنا شاید مناسب نہیں ہے جو صدیوں پرانے ہیں۔ ان رشتوں کو پرکھنے کے لیے کوئی دوسری کسوٹی ہونی چاہیے۔ □

[بشکریہ، بی بی سی، ۹ ستمبر ۲۰۱۰]